مرثیہ

در احوال حضرت عباس و حضرت امام حسینؑ + (بند-۴۷۹)

خدائے سخن مولانا نواب سید مہدی حسین ماہر آجتہادی

(۱)

شیوہ ہے جس کا فقر میں وہ بادشاہ ہوں
گمنام ہو کے (اہل سخن کی) پناہ ہوں
سرمہ بھی ہوں تو وجہ جلائے نگاہ ہوں
اکسیر بھی ہے گرد وہ خاکِ سیاہ ہوں
رنگ حسد طلا ہو تو کیا یہ رقم نہیں
ہوں سنگ بھی وہ سنگ جو پارس سے کم نہیں

(۲)

میں بھی ہوں خاک اور یہ تعبیر بھی ہے خاک
گر خاکسار میں نہیں تقریر بھی ہے خاک
سب نقش بھی فضول ہیں تسخیر بھی ہے خاک
مشکل تو یہ مگر ہے کہ اکسیر بھی ہے خاک
معیوب تو ہے جب کہ خود اپنی ثنا کروں
اکسیر سے نہ مٹ کے بھی کم ہوں تو کیا کروں

(۳)

مٹی ہے قلب سوز کوئی ہے نہ ساز ہے
ویسی نہ رسم و راہ نہ ویسا نیاز ہے
گر ہے خطا معاف تو بس اس پہ ناز ہے
جو وصف ہے مرا وہ ہر اک دل کا راز ہے
ہو جائیں دن بھی خلق میں راتیں تو کچھ کھلے
کوئی کہے چھپی ہوئی باتیں تو کچھ کھلے

(نوٹ: یہاں سے بہت سے بند غائب ہیں)

(۴)

حضرتؑ سے جب جدا پسرِ مجتبیٰؑ ہوا
شادی کا گھر اک آن میں ماتم سرا ہوا
آئی جو لاش شورِ قیامت بپا ہوا
ماں کہتی تھی ارے مرے بچے کو کیا ہوا
ٹکڑے اڑے ہر اک کے دل پاش پاش کے
روئی دلہن جو بیٹھ کے پہلو میں لاش کے

(۵)

تھا طرفہ حشر ماتم قاسمؑ سے آشکار
دولہا کی لاش بیچ میں تھی گرد سوگوار
وہ ماں کے بین اور دلہن کا وہ اضطرار
وہ کوک بیبیوں کی وہ حضرت کا انتشار
گو ٹھیک دوپہر تھی پہ نظروں میں رات تھی
شادی بھی غم ہوئی تھی نئی واردات تھی

(۶)

آیا تھا کھا کے دھوپ جو رن کی وہ مہ جبیں
سونلا کے شکل ہوگئی تھی اور بھی حسیں
اس وقت کی فغاں سے تو ہلنے لگی زمیں
لاشے کی ماں نے آ کے جو چٹ چٹ بلائیں لیں
آئی نہ تاب خنجر غم دل پہ چل گئے
روتے ہوئے حسینؑ بھی باہر نکل گئے

(۷)

اب بیبیوں میں بین کا ہونا کہوں میں کیا
دولہا کا تازہ شان سے سونا کہوں میں کیا
گھونگھٹ میں دم عروس کا کھونا کہوں میں کیا
ماں کا بلک بلک کے وہ رونا کہوں میں کیا
بیکس غریب جان نہ کھوئے تو کیا کرے
ماں ہے[1]، تڑپ تڑپ کے نہ روئے تو کیا کرے

(۸)

گھونگھٹ میں وہ دولہن کی پریشانیٔ حواس
ناواقفی وہ بین سے، وہ دکھ، وہ غم وہ یاس
الٹی ہوئی وہ مسند شادی وہ گھر اداس
حسرت زدہ وہ سہرے کے پھولوں کی بو وہ باس
سب گھر الٹ پلٹ تھا عجب شور آہ تھا
سہرے کے پھول ہنستے تھے جس پر وہ بیاہ تھا

(۹)

کہتی تھی شرم چہرے سے گھونگھٹ جدا نہ کر
نالے یہ ملتجی تھے کہ ہم پر جفا نہ کر
گویا تھا صبر آہ سے لب آشنا نہ کر
دل کی تڑپ یہی تھی کہ رو بھی، حیا نہ کر
موقع یہی ہے جان کے کھونے کے واسطے
گھونگھٹ کی آڑ خوب ہے رونے کے واسطے

(۱۰)

خواہش یہ روح کی تھی کہ تن سے نکل بھی جا
غم کہہ رہا تھا شرم سے اس وقت ٹل بھی جا
کہتا تھا سوز، آہ جگر سے کہ جل بھی جا
دل کی یہ دُھن تھی شرم کہاں تک مچل بھی جا
مانے نہ کس کی بات کو کس کا کہا کرے
دل ان مصیبتوں میں ہو جس کا وہ کیا کرے

(۱۱)

دولھا نے جان عزیز نہ کی اپنی شاہ سے
لب آشنا دلہن کے ہوں کس طرح آہ سے
سیکھے کوئی حیا کو اُسی رشک ماہ سے
دیکھا جو لاش کو بھی تو نیچی نگاہ سے
سچ ہے زباں کو خاک اجازت ہو بین کی
بیٹا وہ تھا حسنؑ کا یہ بیٹی حسینؑ کی

(۱۳)

یاں تھے یہ بین اور یہ باہر کا حال تھا
اکبرؑ کو بھی جو اپنی جگہ اک خیال تھا
تیوری پہ بل تھے دل سے جواب و سوال تھا
عباسؑ نامور کو غضب کا ملال تھا
کہتے تھے میرے دل کی کسی کو خبر نہیں
اب میں نہ جان دوں تو علیؑ کا پسر نہیں

(۱۴)

جب دل پہ خنجر غم نوشاہ چل گیا
خون روئی چشم، غم سے دل زار جل گیا
جوشِ تعب سے شیر کا نقشہ بدل گیا
اکبرؑ کے آگے صاف یہ منہ سے نکل گیا
اب ہم جہاں سے جائیں گے کہتے ہیں آپ سے
بیٹا! چچا نثار، خبردار باپ سے

(۱۵)

صورت یہ تھی ملال سے اس دیں پناہ کی
گہہ روئے، گہہ کمیٔ مقدر پہ آہ کی
گہہ آنکھ اٹھا کے دیکھ لی کثرت سپاہ کی
گہہ تن کے اپنے جسم قوی پر نگاہ کی
قاسمؑ کی تیغ غم جو کلیجے پہ چل گئی
وہ آہ کی کہ تن کی زرہ بھی نکل گئی

(۱) ہی

(۱۶)

آنکھوں سے اشکِ ماتم قاسمؑ جو ڈھل گئے
حضرتؑ کے پاس کرب میں ہاتھوں کو مل گئے
آئے جدھر جلال میں تیور بدل گئے
اندر کبھی گئے کبھی باہر نکل گئے
سب کچھ تو تھا پہ بات کوئی بے محل نہ تھی
بسمل کو تھا قرار مگر ان کو کل نہ تھی

(۱۷)

باتیں تھیں دل سے ہم نہ خجالت سے گڑ گئے
آگے ہمارے عونؑ و محمدؑ بچھڑ گئے
قاسمؑ کی بھی حیات کے نقشے بگڑ گئے
افسوس ایک آن میں دو گھر اُجڑ گئے
بنت علیؑ بھی اپنے جگر بند کھو چکی
اب کیا ہے ایک شب کی دلہن رانڈ ہو چکی

(۱۸)

جب آئے اس طرف سے ادھر آستیں چڑھائے
پیارے بھتیجے کو یہ سخن رمز کے سنائے
قاسمؑ کا جسم اور سم رہوار ہائے ہائے
بیٹا ہماری لاش نہ پامال ہونے پائے
قاسمؑ کے غم میں دیکھو تو کیا حال ہوگیا
ہوگا گلہ چچا کو جو پامال ہوگیا

(۱۹)

ہرچند بعد مرگ ہمیں اس سے کام کیا
ہے جسم خاک، خاک کا پھر احترام کیا
باندھی کمر فنا پہ تو ایسے کلام کیا
جب مرگ ہے تو مرگ کا پھر اہتمام کیا
لیکن پس فنا یہی ہم کو ہراس ہے
عمو نثار لاش کی سُبکی کا پاس ہے

(۲۰)

قاسمؑ کی لاش کا نہ کیا اس سے اہتمام
سب جانتے ہیں قاعدہ دنیا میں ہے یہ عام
ہر دیں کے لوگ کرتے ہیں میت کا احترام
کیا جانتے تھے لاش سے لیں گے یہ انتقام
عمو نثار کیوں نہ جگر پاش پاش ہو
یہ بھی کہیں سنا ہے کہ پامال لاش ہو

(۲۱)

اور دوسرے یہ امر ہے اے میرے خوش جمال
پہنچے نہ میرے بعد سکینہؑ کو کچھ ملال
سب سے اہم ہے یہ کہ ہے بیکس علیؑ کا لال
ہر حال میں حسینؑ کا تم کو رہے خیال
فوجوں میں تم رفاقت آقا نہ چھوڑیو
کہتا ہوں پھر کہ باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

(۲۲)

اکبرؑ نے عرض کی کہ یہ کہتے ہیں آپ کیا
میری یہ آرزو ہے کہ پہلے ہوں میں فدا
ممکن نہیں کہ ہجر گوارا ہو آپ کا
بعد آپ کے جئیں گے شہنشاہِ کربلا
یہ بھی تو کہئے ہاتھ میں پھر کس کے ہاتھ دوں
مر جائیں یوں حسینؑ تو پھر کس کا ساتھ دوں

(۲۳)

باتیں یہ بیٹھے سنتے تھے حضرتؑ بھی ایک سو
اتنے میں آئے اکبرؑ و عباسؑ روبرو
بولے یہ ہنس کے بھائی سے سلطان نیک جو
کہئے، چچا بھتیجوں میں کیا تھی یہ گفتگو
اک عمر کے تمہیں تو فقط کائنات ہو
ہم بھی سنیں اگر نہ چھپانے کی بات ہو

(۲۴)

کی عرض انہوں نے مالک و مختار ہیں حضور
بے مشغلہ بھی ہیں تو سرِ کار ہیں حضور[1]
ہم لوگ خانہ زاد ہیں سردار ہیں حضور
پردہ بھی ہے تو واقف اسرار ہیں حضور
کوئی کہے خلاف تو کب مانتے ہیں آپ
باتیں وہی تھیں سب کہ جنھیں جانتے ہیں آپ

(۲۵)

فرمایا آپ نے، تو کچھ ارشاد کیجئے
حاضر ہیں جس طریق سے برباد کیجئے
جو چاہئے غریب پہ بیداد کیجئے
مضموں کچھ اور ذہن سے ایجاد کیجئے
ثابت ہوا کہ آپ کو کوثر کی چاہ ہے
ہم بھی نہ اف کریں گے جو حامی اللہ ہے

(۲۶)

فرمایا ہم کہیں وہ[2] جو باہم تھی قیل و قال
کچھ تم کو اپنی لاش کی نسبت ہے احتمال
قوم عرب میں لاش بھی ہوتی ہے پائمال
لیکن وہاں جہاں کہ ہو تخفیف کا خیال[3]
تم کو عبث خیال تن پاش پاش ہے
پامال ہوگی جو وہ کوئی اور لاش ہے

(۲۷)

میں سن رہا تھا دیر سے ہوتے تھے جو کلام
عباس اپنی لاش میں اللہ رے اہتمام
گھوڑوں کی جب اُٹھائیں گی باگیں سپاہ شام
میں خود کروں گا آپ کے لاشے کا انتظام
سچ ہے جہاں میں عمر بشر بے ثبات ہے
کیوں کر تمہیں قبول ہو سکی کی بات ہے

(۲۸)

یہ رسم گو قدیم نہیں رسم حال ہے
اس کا مگر تمہیں تو عبث احتمال ہے
بھائی تمہارے واسطے یہ ہو محال ہے
زندہ اگر ہیں ہم تو کسی کی مجال ہے
تم کو بھلا کہاں یہ مصیبت نصیب ہے
پامال ہوگا جو وہ حسینؑ غریب ہے

(۲۹)

سب جانتے ہیں دہر میں پابند غم ہیں ہم
دنیائے دوں میں قیدیٔ رنج و الم ہیں ہم
عرصہ ہے تنگ زیست کا اب کوئی دم ہیں ہم
عریاں بھی بعدِ مرگ جو ہوگا وہ ہم ہیں ہم
یہ بھی ہوس نہیں ہے کہ لوگ آئیں دور سے
ڈھپ جائے گا یہ تن پر و بالِ طیور سے

(۳۰)

کی عرض اس جری نے کہ بس بس حضور بس
نالاں ہے دل مثالِ جرس بس حضور بس
ہوتا ہے غم سے قطع نفس بس حضور بس
ہے مرغ جاں کو جسم قفس بس حضور بس
باتیں یہ درد کی نہیں کچھ کم طلسم سے
مولا بس اب کہ جان نکلتی ہے جسم سے

(۳۲)

خیر اس کو جانے دو یہ کہو ہے خیال کیا[4]
اللہ قہر و غیظ سے چہرہ ہے لال کیا
پہنچا ہے کچھ شبیہ نبیؐ سے ملال کیا
دیکھو تو آئینہ میں کہ ہے منہ کا حال کیا
دنیا ہے بے مدار، جہاں بے ثبات ہے
آخر کہو تو، کون سی پردے کی بات ہے

---

(۱) ہر منصب بزرگ کے حقدار ہیں حضور (۲) کہ (۳) لیکن جہاں کہ ہوتا ہے توہین کا خیال

(۴) فرمایا کچھ کہو تو ہے آخر ملال کیا

(۳۳)

کی عرض امید لطف امام جلیل ہے
اک امر جاں نثاریٔ عبد ذلیل ہے
جز آپ کون راہنمائے سبیل ہے
کونین کی یہ ذات مقدس کفیل ہے
[1]مجھ کو بھی اب طریق دیارِ فنا ملے
چھوٹا ہوا بھی قافلے والوں سے جا ملے

(۳۴)

پیاسے جو ہوں صغیر تو کیوں قلب جل نہ جائے
باد فنا ریاض میں بچوں کے (چل) نہ جائے
رنگ چمن ہوائے خزاں سے بدل نہ جائے
اے باغباں گلوں سے کہیں بو نکل نہ جائے
مولا ہر ایک ان میں سے اک تازہ پھول ہے
یہ وقتِ آبیاریٔ باغ رسولؐ ہے

(۳۵)

حضرت کی تھی یہ شکل کہ بیٹھے تھے سر جھکائے
خیمہ سے آ رہی تھی صدا ہائے ہائے ہائے
باتیں تھیں دل سے کون رہے اور کون جائے
رانڈوں کا ہاتھ تھامنے کوئی کہاں سے آئے
بھائی کا دل تھا گلشن عنبر شمیم میں
تھی فکر آپ کو کسی امر عظیم میں

(۳۶)

شہ نے اُٹھا کے سر کو یہ فرمایا کیا کہا
مطلب یہ ہے کہ مرنے کی تم کو میں دوں رضا
کوئی ہے اس غریب کا دنیا میں آسرا
گودی میں کس نے پال کے اتنا بڑا کیا
کیونکر کہوں کہ تم ہو جدا میرے ساتھ سے
کھوتا ہے کوئی قوتِ بازو کو ہاتھ سے

(۳۷)

فرمایا یہ غرض ہے کہ جنت میں مر کے جاؤ
راضی ہوں سوئے باغ جناں خوں میں بھر کے جاؤ
جاؤ مگر جہاں سے تو یوں تم گذر کے جاؤ
رانڈوں کے امر میں کوئی تدبیر کر کے جاؤ
سمجھو نہ سہل اسے کہ ہے عترت رسولؐ کی
قرآں کے بعد ہے یہ امانت رسولؐ کی

(۳۸)

سوچو تو بے دھڑک کہی کیا تم نے مجھ سے بات
بھائی سے کہہ رہے ہو کہ ہوں عازم فرات
اکبر کی طرح ہم بھی ہیں عالم میں بے ثبات
کاش امرِ اصل پر تمہیں کچھ ہوتا التفات
ہوتی نہیں خطا کسی امر سلیم میں
[2]ہے مجھ کو سب سے فکر اس امر عظیم میں

(۳۹)

غازی یہ ہاتھ جوڑ کے بولا کہ کیا ہے وہ
ان سب مصیبتوں میں بھی شاید سوا ہے وہ
موجود حالتوں سے بھی مولا جدا ہے وہ
فرمایا ہاں اسیریٔ آل عباؑ ہے وہ
دیکھو بغیر اس کے یہ کوشش فضول ہے
امر عظیم اسیریٔ آلِ رسولؐ ہے

(۴۰)

کل صبح کو یہ قیدیٔ آلام جائیں گی
کوفہ کی عورتیں بھی لبِ بام جائیں گی
جو خاص بیباں ہیں سرِ عام جائیں گی
سر ننگے کربلا سے یہ تا شام جائیں گی
آفت میں بیکسوں کا غریبوں کا ساتھ دے
کوئی تو ہو کہ ہاتھ میں رانڈوں کے ہاتھ دے

(۱) مولا ہر ایک ان میں سے اک تازہ پھول ہے☆ یہ وقت آبشاری باغ رسولؐ ہے
(۲) زائد ہے مجھ کو فکر اس امر عظیم میں

(۴۱)

کی عرض بس کہ آگ لگی جان زار میں
برچھی اُتر گئی جگر بے قرار میں
فرمایا شہؑ نے دل کو رکھو اختیار میں
چارہ نہیں مشیتِ پروردگار میں
ذات اس کی پردہ پوشِ گناہ و عیوب ہے
جو اس کی راہ میں ہے وہ بہتر ہے خوب ہے

(۴۲)

معیوب عاقلوں میں ہے بھائی سخن کو طول
اس بات کا جواب دو رونے سے کیا حصول
معنی یہ ہیں رضا کے زرا دل نہ ہو ملول
کی عرض اُس جری نے مجھے یہ نہیں قبول
عابد کی ذاتِ پاک سے شاید یہ کام ہو
ہوگا یہ صبر اُسی سے جو خود بھی امام ہو

(۴۳)

[۱] یہ بھی نہ سنئے گر تو ہمیں کو رلایئے
بچھڑے ہوئے ہیں دیر سے نزدیک آیئے
کچھ دل طپاں ہے سینے سے سینہ ملایئے
زوجہ بھی اذن دے تو پئے جنگ جایئے
وہ بھی تو [۲] دل گداختہ ہے تیرہ بخت ہے
عورت کا امر، مرحلہ صعب و سخت ہے

(۴۴)

کیونکر کہوں کہ خلد میں سر کو کٹا کے جاؤ
اک بے کس و غریب کو بیوہ بنا کے جاؤ
بے کس کی کوئی شکلِ بسر بھی بتا کے جاؤ
اچھا اگر یہی ہے تو خیمہ سے [۳] آ کے جاؤ
کیا تم کو اس کے دل کی خبر کچھ نہ ہوئے گی
جو منہ کو ڈھانپ ڈھانپ کے راتوں کو روئے گی

(۴۵)

بعد آپ کے یہ جان کو کھوئے تو کیا کروں
[۴] پیاسی سکینہ شب کو نہ سوئے تو کیا کروں
رہ رہ کے دل میں درد جو ہوئے تو کیا کروں
بچوں کو ساتھ لے کے جو روئے تو کیا کروں
کبریٰ کے غم میں سوچئے کیا شور وشین ہیں
اک شب کی [۵] ہے وہ رانڈ یہ بیوہ کے بین ہیں

(۴۶)

روئے اگر سکینہؑ تو غم کھاؤں یا نہ کھاؤں
میں اس کے پالنے کے ثمر پاؤں یا نہ پاؤں
دریا پہ بسملوں کی طرح جاؤں یا نہ جاؤں
لاشہ پہ بھی تمہارے اُسے لاؤں یا نہ لاؤں
جو آپ کی خوشی [۶] ہے میرے دل کا چین ہے [۷]
گر منہ سے اُف کروں تو نہ کہنا حسین ہے [۸]

(۴۷)

کہئے تڑپ کے نہر پہ بھی آئیں یا نہ آئیں
رن سے اٹھا کے لاش کو بھی لائیں یا نہ لائیں
غم اک غریب رانڈ کا بھی کھائیں یا نہ کھائیں
خیمہ میں بعد آپ کے ہم جائیں یا نہ جائیں
کہئے تو کیا بنے گی غریبوں کے ساتھ سے
دامن چھڑاؤں آپ کے بچوں کے ہاتھ سے

(۴۸)

مجروح جسم نہر پہ کس طرح آ کے لائیں
لاکھوں کے غول گھاٹ سے کیونکر بھگا کے لائیں
چلنے نہ دے جو ضعف تو کس طرح جا کے لائیں
چھوٹی سی [۹] یہ بھی لاش ہے جس کو اٹھا کے لائیں
بھیا مقامِ غور ہے موقع ہے دھیان کا
لاشہ بھی وہ کہ، ہو جو تم ایسے جوان کا

---

(۱) فرمایا شہؑ نے خوب (۲) وہ بھی تو دل گرفتہ ہے اور (۳) جا کے (۴) بے چینیوں سے

(۵) وہ دلہن ہے (۶) تھی (۷) تھا (۸) تھا (۹) کیا یہ

(۴۹)

گودی میں کچھ تو پالنے کی قدر جانئے
خوف نگاہ بد ہے نہ سینے کو تانئے
دل پر نہ عزم جزم صف جنگ ٹھانئے
بے کس پہ رحم کیجئے کہنے کو مانئے
اس درد [۱]جاں گزا کا اگر ضبط کر گیا
سن لیجئے گا آپ کہ شبیرؑ مر گیا

(۵۰)

آئے یہ سن کے خیمے میں عباسؑ خوش خصال
دیکھا کھڑی ہے ڈیوڑھی [۲]میں زوجہ بصد ملال
فرمایا کیوں کھڑی ہو یہ کیا ہے تمہارا حال
کی عرض میرے درد سے واقف ہے ذوالجلال
اظہار گو کہ درد جگر کا علاج ہے
ڈرتی ہوں پر کہ آپ کا نازک مزاج ہے

(۵۱)

آخر یہ کانپ کانپ کے بولی وہ حق شناس
بیٹھی ہوئی تھی میں ابھی بنت علیؑ کے پاس
باتیں تھیں کچھ رنڈاپے کی کچھ [۳]ذکر درد و یاس
آخر کو بیٹھے بیٹھے دل ایسا ہوا اداس
ہر بات دل میں ہو گئی برچھی گڑی ہوئی
الجھا دم اس قدر کہ یہاں آ کھڑی ہوئی

(۵۲)

جو آئی پاس بنت علیؑ کے اداس آئی
باتوں میں یہ بھی بات بصد رنج و یاس آئی
بیٹی کو شاہ دیں کی یہ شادی نہ راس آئی
فضہؑ بھی اتنی دیر میں کچھ بے حواس آئی
کیا جانے کیا کہا کہ طبیعت الٹ گئی
بنت علیؑ کے کان میں کچھ کہہ کے ہٹ گئی

(۵۳)

بیٹھی تھی گو ہٹی ہوئی میں سوختہ جگر
لیکن ہزار کچھ ہو مرا دھیان تھا ادھر
میں سچ کہوں کہ مجھ کو بس اتنی تو ہے خبر
آیا تھا نام آپ کا اس کی زبان پر
جب سے سنا ہے دن مری نظروں میں رات ہے
کہتا ہے دل کہ ہو نہ ہو کچھ میری بات ہے

(۵۴)

آئے یہ سن کے حضرت زینبؑ کے پاس آپ
رخصت سے تھی جو یاس تو تھے بے حواس آپ
دیکھا ٹہل رہی ہیں بہ اندوہ و یاس آپ
کی عرض کیا ملال ہے کیوں ہیں اداس آپ
فرمایا تیر رنج و الم دل پہ کھائے ہیں
فکر اُس کی ہے کہ جس کے لئے آپ آئے ہیں

(۵۵)

کیونکر نہ بے حواس ہوں میں غم ہے آپ کا
شوق وغا میں اور ہی عالم ہے آپ کا
بھائی کی زندگی کا سبب دم ہے آپ کا
سنتی ہوں میں کہ قصد مصمم ہے آپ کا
بے میرے پوچھے جنگ پہ تیار ہوگئے
لو سب تو خیر، آپ بھی مختار ہوگئے

(۵۶)

مرنے کا تو ہے عزم مگر کچھ ہے غور بھی
آفت ہے اک غریب پہ اور ظلم و جور بھی
معلوم ہیں ہر ایک کو اکبرؑ کے طور بھی
جز تم چچا بھتیجوں کے ہے کوئی اور بھی
لاکھوں کی فوج ایک پہ جس وقت آئے گی
[۴]لوگو بتاؤ بھائی کو زینبؑ بچائے گی

(۱)جاں گسل (۲)پہ (۳)فکر (۴)یہ تو

(۵۷)

تم جانتے ہو آپ میں جس رنج و غم میں ہوں
ممکن نہیں غریب کے صدمہ کو میں سہوں
بھائی پہ رنج و غم ہوں تو کیا آپ میں رہوں
میں دل میں کہتی تھی کہ تم آؤ تو یہ کہوں
کچھ دیکھتے ہو فوجِ ستم کی چڑھائی کو
لونڈی تمہاری ہوں گی بچا لو جو بھائی کو

(۵۸)

اس کی خبر نہ تھی کہ یہاں اور بھی ہے اور
فکریں بھی اور ہو رہی ہیں غور بھی ہے اور
پردے میں اُنس کے ستم و جور بھی ہے اور
تیور سحر کے اور تھے اب طور بھی ہے اور
باتیں یہ آگے بھائی کے بھی آپ لائے تھے
اس طور سے کمر بھی کبھی کس کے آئے تھے

(۵۹)

دو روز سے بندھا ہوا ہے لشکروں کا تار
لاکھوں ہیں ہائے کیا کرے اک ناتوان و زار
کی ہے ہر اک کی لاش کے لانے میں کار زار
سید ترے تھکے ہوئے ہاتھوں کے میں نثار
بے خدمتی سے کیوں نہ خجل سوگوار ہو
شانے بہن دبائے تو دل کو قرار ہو

(۶۰)

بولے یہ رو کے حضرتِ عباسؑ نیک نام
مالک ہیں آپ، یوں بھی تو مر جائے گا غلام
اکبرؑ گئے جو مرنے کو اے خواہر امام
فرمایئے جئیں گے شہنشاہ خاص و عام
اے بنت فاطمہؑ یہ دم گیر و دار ہے
میں کہہ چکا حضور کو بس اختیار ہے

(۱) اچھا یہی ہے (۲) اسیر

(۶۱)

[1]فرمایا یہ ہے گر تو میں دیتی ہوں یوں رضا
دشمن ہیں بھائی کے عمرو شمر بے حیا
ہیں فتنہ و فساد کے باعث وہ پُر دغا
عباسؑ! [2]قید ہو کے وہ آئیں تو ہے مزا
[3]کیوں ہو نہ عزم یہ کہ جری ہو دلیر ہو
[4]دونوں شکار ہوں تو یہ جانوں کہ شیر ہو

(۶۲)

پائیں سزا یہ گو ہمہ تن کید ہو کے آئیں
شمر و عمر جہان سے ناپید ہو کے آئیں
پنجہ میں شیر نر کے ہرن صید ہو کے آئیں
سر کٹ کے آئیں دونوں کے یا قید ہو کے آئیں
مسرور کس قدر شہ گردوں سریر ہوں
کیسے بہن دعائیں دے گر یہ اسیر ہوں

(۶۳)

کی عرض آپ بنت جناب امیرؑ ہیں
یہ کیا ہیں؟ شیرِ حق کے پسر شیر گیر ہیں
پروا ہے کیا جو فوجوں میں لاکھوں شریر ہیں
آزاد میں ہوں گر، تو یہ دونوں اسیر ہیں
لاکھوں بھی ان کے چھوڑ نہ دیں ساتھ، تو سہی
در پر کھڑے ہوں باندھے ہوئے ہاتھ، تو سہی

(۳) آساں ہے سب جو بخت رسانے رسائی کی

(۴) یہ قید ہوں اگر تو بچے جان بھائی کی

(۶۴)

فرمایا مول لے لو مجھے گر یہ کر دکھاؤ
قربان جاؤں یہ بھی کہ پھر جا کے جلد آؤ
پیاسی سکینہؑ مرتی ہے پانی بھی بھر کے لاؤ
زوجہ سے مل کے جلد سوئے رزم گاہ جاؤ
مانع نہیں بہن تمہیں جانے کے واسطے
بیتاب تم ہو برچھیاں کھانے کے واسطے

(۶۵)

تسلیم کرکے آپ وہاں سے ہوئے رواں
زوجہ کے پاس آ کے یہ کرنے لگے بیاں
صاحب تمہارا خالق اکبر نگاہباں
جاتے ہیں ہم پئے مددِ سرورؑ زماں
کہتے ہیں تم سے جان کو کھونا نہ ہجر میں
گر ہم کو چاہتی ہو تو رونا نہ ہجر میں

(۶۶)

بچوں کے ہاتھ تھام کے بولی وہ سوگوار
کیا حکم ان کے باب میں ہوتا ہے، میں نثار
مجھ کو تو پھر ہے سہل کہ ہے دل پہ اختیار
ممکن نہیں ملے ہوئے بچوں کو ہو قرار
سینہ پہ ہاتھ غم سے جو ماریں تو کیا کروں
<u>شب کو یہ باپ باپ</u>[۱] پکاریں تو کیا کروں

(۶۷)

بچے ہیں جان ہجر میں کھوئیں گے یا نہیں
دامن کو آنسوؤں سے بھگوئیں گے یا نہیں
رہ رہ کے درد قلب میں ہوئیں گے یا نہیں
پچھلے پہر کو اُٹھ کے یہ روئیں گے یا نہیں
فرمایئے کہ گود میں لے یا بکا کرے
اس <u>دوپہر</u>[۲] <u>یا</u> رات کو یہ رانڈ کیا کرے

(۶۸)

فرمایا آپ نے کہ نگہباں کریم ہے
بڑھ کر پدر سے شفقت رب علیم ہے
لازم ہے اس کی فکر کہ جو دل دو نیم ہے
امرِ سکینہؑ سب سے زیادہ عظیم ہے
حامی اُسی کی ذات ہے گو طفل خورد ہیں
بس مختصر یہ ہے کہ خدا کے سپرد ہیں

مطلع (۶۹)

زوجہ سے <u>مل</u>[۳] کے <u>جب</u>[۴] سوئے دشت وغا چلے
تنتے ہوئے مثال شہہ لا فتا چلے
تلوار تولتے ہوئے شیر خدا چلے
باندھے کمر نبرد کو مشکل کشا چلے
تعظیم اب ہے فرض شہ خوش نہاد کو
پردہ اٹھا علیؑ نکل آئے جہاد کو

(۷۰)

اک شور تھا کہ آپ پئے دار و گیر آئے
ہشیار سب ہوں بادشہ قلعہ گیر آئے
برہم مزاج حمزۂ گردوں سریر آئے
<u>پردہ اٹھا</u>[۵] محل سے جناب امیرؑ آئے
<u>نکلے جو یوں حسینؑ کی تسلیم کے لئے</u>[۶]
<u>شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لئے</u>

(۷۱)

ناگہہ قریب آ کے رکا اسپ تیز گام
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے شہ سے وہ نیک نام
کیا حکم ہے حضور کا حاضر ہے خوش خرام
فرمایا جایئے کہ ہے صابر یہ تشنہ کام
عادت ہے صبر فاطمہؑ کے نور عین کی
جو آپ کی خوشی وہ خوشی ہے حسینؑ کی

---

(۱) شب بھر جو آپ کو یہ (۲) دوپہر کی (۳) کہہ (۴) یہ (۵) غل پڑ گیا

(۶) عباسؑ آ کے شہؑ کے قدم چومنے لگے ☆ بھائی کی شان دیکھ کے شہؑ جھومنے لگے

(۷۲)

غل پڑ گیا کہ ابرش دلدل نژاد آئے
خود جس کی شاطری کے لئے کیقباد آئے
جوزہ دم و ہلال سم و خوش نہاد آئے
زورق رواں ہو دین کے باد مراد آئے
کیوں امت رسولؐ کا بیڑا نہ پار ہو
جب ناخدائے کشتئ عالم سوار ہو

(۷۳)

کیوں دیر ہے عبث فرس تیز پا بھی آئے
آیا ہے بادشاہِ دو عالم ہُما بھی آئے
تکلیف ہے حضور کو ہاں باد پا بھی آئے
مدت سے جو بندھی ہوئی ہے وہ ہوا بھی آئے
اصطبل سے نکلتی ہے چشم صبا کھلے
فرماتے ہیں بندھی ہوئی جلدی ہوا کھلے

(۷۴)

اصطبل سے فرس کا اب آنا کہوں میں کیا
مڑ مڑ کے سائے کو وہ بلانا کہوں میں کیا
راکب کے پاس ہٹ کے وہ جانا کہوں میں کیا
پیاری کنوتیوں کا ملانا کہوں میں کیا
مطلب یہ تھا کہ کیا سپہ کینہ خواہ ہے
دو دل ہیں اک تو کوہ بھی پھر مثل کاہ ہے

(۷۵)

یہ سب تو خیر شان سے آنا تھا اور قہر
راکب کو ہنہنا کے بلانا تھا اور قہر
چھوٹی سی تھوتھنی میں دہانا تھا اور قہر
بل کرکے منہ سے کف کا گرانا تھا اور قہر
ایما یہ تھا کہ مرد مرے آن بان پر
پیاس اور سوار دوش نبیؐ تف جہان پر

(۷۶)

[1]ناگاہ رخش پر اسد خشمگیں چڑھا
گھوڑے پہ کیا نظر پہ ہژبر عریں چڑھا
غل پڑ گیا جہاد کو ضرغام دیں چڑھا
انگشتری پہ در نجف کا نگیں چڑھا
کیونکر نہ ہو کہ لال خدا کے ولی کے تھے
جعفر کی [2]ران باگ تھی تیور علیؑ کے تھے

مطلع

(۷۷)

آمد ہے اک ہژبر کی دریا پہ رات سے
موجیں بھی ہاتھ دھوئے ہوئے ہیں حیات سے
کان آشنا کبھی تھے جو اس واردات سے
[3]اب تک بھی منہ اُٹھائے ہیں گھوڑے فرات سے
جو چاہے جا کے دیکھ لے ہیبت دلیر کی
بو آج تک ترائی سے آتی ہے شیر کی

(۷۸)

آتا ہے شیر نہر پہ صیدوں کی گھات میں
تلخی نہ کیوں ہو زہر کی آب حیات میں
کچھ اور ہوگیا ہے جو پانی صفات میں
منہ ڈالتا نہیں کوئی گھوڑا فرات میں
ہر دل کو ہے جو ڈر سے تصور دلیر کا
پانی میں صاف منہ نظر آتا ہے شیر کا

(۷۹)

پرتو وہ رخ کا اور وہ علم سر پہ جلوہ گر
پرچم تھے یا کہ ہاتھ میں تھا حور کے چنور
پنجہ لچک رہا تھا عبث کب قریب سر
کہتا تھا ہاتھ رکھ کے علم فرق پاک پر
کس کس کی قدر حسن نے ان کے نہ خاک کی
بے مثل ہیں قسم ہے اسی فرق پاک کی

(۱) یہ سن کے (۲) آن بان (۳) منہ آج تک

(۸۰)

مدت سے باز شوق میں تھے در رکاب کے
آباد کیوں قدم سے نہ ہوں گھر رکاب کے
حلقے تھے مثل شمس و قمر ہر رکاب کے
کشتی چلی پڑے رہے لنگر رکاب کے
تھا قول بحر و بر میں ہر اک ذی حیات کا
لنگر سے بھی رُکا نہ سفینہ نجات کا

(۸۱)

کس طرح نقش نعل کے پائے وقار چاند
گردوں پہ ایک تھا تو زمیں پر ہزار چاند
کیلوں پہ نجم اور سموں پر نثار چاند
تھے نعل یا زمیں کو لگائے تھے چار چاند
دیکھیں نہ جائے وصف یہ کب تک زمین سے
گل چاندنی کے اُگتے ہیں اب تک زمین سے

(۸۲)

کیوں متصل نہ خصم کو اس کی خبر لگے
دامن اڑے جو زیں کے تو پہلو میں پر لگے
ڈرتا ہوں اب عقاب پہ سب کی نظر لگے
نزدیک ہے نشان کے نیچے سے سر لگے
پیدا تھا صاف پرچم رایت کی شان سے
گھوڑے کی یال الجھی ہوئی ہے (نشان) سے

(۸۳)

گھوڑا بڑھا کے جب صفت شیر حق بڑھے
جانیں لبوں پہ آئیں دلوں کے قلق بڑھے
یوں دھوپ میں سموں سے زمین کے طبق بڑھے
جس طرح چوٹ کھا کے طلای ورق بڑھے
آیا نہ تھا جواں کوئی اس آن بان سے
کوسوں زمین بڑھ گئی تھی آسمان سے

(۸۴)

صدقے سموں پہ درہم و دینار کی صدا
تھی آب آب ابر گہر بار کی صدا
ہر سم میں تھی جو زخمۂ زرکار کی صدا
جادوں سے صاف آ رہی تھی تار کی صدا
غل تھا یہ چال ختم ہے اس راہوار پر
مضراب کی تکاں ہے کہ جاتی ہے تار پر

(۸۵)

پاؤں صدا سنائیں جو ہر بار تار کی
دیکھی نہ شکل زخمۂ زرکار تار کی
ہر رگ جو دے رہی تھی صدا تار تار کی
کانوں میں صاف آتی تھی جھنکار تار کی
اک شور تھا کہ پھر کہیں راکب نہ ایڑ دے
کیوں برق ہوں نہ تار جو مضراب چھیڑ دے

(۸۶)

وہ انکھڑیاں کہ دیکھ کے حوروں کے دل جلیں
پاؤں کی وہ ادا کہ چلیں جس طرح کلیں
نازک کنوتیاں نہ کلیجوں کو کیوں ملیں
شاخِ نہالِ حسن سے پھوٹی ہیں کوپلیں
سنبل کا پیچ زلف شکن در شکن میں تھا
غنچے میں تھیں رگیں کہ دہانہ دہن میں تھا

(۸۷)

ناگاہ آئے آپ، نظر فوج سے لڑی
برچھی تھی اک کہ ہر دل بیدرد میں گڑی
تننے[1] میں آنکھ شیر کی یوں فوج پر پڑی
کڑکی بدن میں تنگ زرہ کی کڑی کڑی
ثابت یہ تھا نظر سے کہ دنیا اُلٹ گئی
پیارا بدن یہ تھا کہ زرہ بھی لپٹ گئی

---

(۱) تنے

(۸۸)

اس طرح آپ رن میں پئے کارزار آئے
صحرا میں جیسے شیر برائے شکار آئے
پاؤں نہ اک بڑھا حرکت میں ہزار آئے
گیتی ہلی، نبرد کو دلدل سوار آئے
راکب بھی چاہتے تھے کہ گھوڑے ہوا کریں
شیر آ پڑے تو غول غزالوں کے کیا کریں

(۸۹)

لاکھوں کے آگے پاک جو کی گرد راہ کی
رومال سے بھی آئی صدا واہ واہ کی
وہ دوپہر کی دھوپ وہ کثرت سپاہ کی
ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے صفوں پر نگاہ کی
جب لشکر کثیر بھی نظروں میں کم ہوا
اس وقت اس طرف کے بھی کشتوں کا غم ہوا

(۹۰)

کثرت غضب کی تھی سپہ کینہ خواہ میں
داخل تھی منزلوں کی زمیں رزم گاہ میں
جنبش نہ تھی جنود ضلالت پناہ میں
حل ہو رہی تھی دھوپ سواد سپاہ میں
ہرگز نہ تھی وہ دھوپ سپاہ رذیل میں
کف آ گیا تھا جوش سے دریائے نیل میں

(۹۱)

تیغوں کی جس میں کاٹ تھی دریا وہ نہر وہ
لٹ جائے جس میں دن کو پر آشوب شہر وہ
افعی بھی جس سے مات کمانوں میں لہر وہ
اُترے نہ چڑھ کے جو کبھی تیروں میں زہر وہ
اس دن پہ کیا نہ کم وہ اثر آج تک ہوا
آخر چڑھا یہ زہر کہ نیلا فلک ہوا

(۹۲)

اچھی طرح جو یوں نہ کھلا حال فوج شر
گھوڑا بڑھا کے آئے مقام بلند پر
نیزہ پہ تکیہ کرکے جری نے بکر و فر
کی کثرت سپاہ پہ تفصیل سے نظر
سب اک نگاہ غور میں مفہوم ہوگیا
آخر جو چاہتے تھے وہ معلوم ہوگیا

(۹۳)

جوش نبرد تھا جو دل صید خواہ میں
نظروں سے پہلے تیغ چلی رزم گاہ میں
ہل چل پڑی یزید کی جنگی سپاہ میں
تن کر فرس پہ فوج کو تولا نگاہ میں
غازی پہ بندوبست صفِ جنگ کھل گیا
لشکر تمام آنکھ کی میزاں میں تُل گیا

(۹۴)

دیکھا کبھی غضب میں سوئے لشکر گراں
بازو کو مل کے ہاتھ سے دی فرق کو تکاں
تاخیر جنگ سے دل مضطر جو تھا طپاں
انگڑائی لی کبھی، کبھی چٹکائیں انگلیاں
ہاتھ اینٹھتے تھے ظلم شعاروں کو دیکھ کر
بے چین تھا ہژبر شکاروں کو دیکھ کر

(۹۵)

شوق وغا میں شیر کو یہ اضطرار تھا
رانوں میں مثل برق فرس بے قرار تھا
لوہے کو بھی یہ دست قوی سے فشار تھا
قبضہ پہ انگلیوں کا نشاں آشکار تھا
جوہر کھلا جو تیغ میں زور جناب کا
فوراہ چھوٹنے لگا قبضہ سے آب کا

(۹۶)

کیونکر نہ ہر جری پہ ہو غازی کو برتری
تدبیر بھی ہے داخل فن سپہ گری
غفلت نہیں نبرد میں [1]راہ دلاوری
ہشیاریاں ضرور ہیں ہنگام صفدری
باتیں یہ سب تھیں شیر الٰہی کے واسطے
لازم ہے دیکھ بھال سپاہی کے واسطے

(۹۷)

مطلب یہ تھا کہ فوج عدو پر کدھر سے جائیں
کھل جائے راہ بند بھی ایسے ہنر سے جائیں
لشکر پہ حملہ ور ہوں، اِدھر یا اُدھر سے جائیں
خیمہ ملے رئیسِ شقی کا جدھر سے جائیں
کچھ راہ سوچ کر جو طبیعت کا بل گیا
بے ساختہ زبان سے اچھا نکل گیا

(۹۸)

ناگاہ صورت اسد خشمگیں چلے
پڑھتے رجز مثال ہژبر عریں چلے
کرسی سے اٹھ کے دیکھنے سلطانؑ دیں چلے
گویا علیؑ چڑھائے ہوئے آستیں چلے
ہاں وہ بھی قوت ملکوتی سے کام لیں
میکال سے کہو کہ یہ[2] بازو بھی تھام لیں

(۹۹)

کس کے نہ ہوش واں دم ضرب حضور اڑے
چلنا تھا تیغ کا کہ سر پر غرور اڑے
صحرا میں پھیلی دھوپ پہ آنکھوں کے نور اڑے
گیتی ہلی، شجر ہوئے جنباں، طیور اڑے
بخشا تھا رُعب خاص جو خالق نے دین کو
اٹھا غبار، [3]آئی پھریری زمین کو

(۱۰۰)

لشکر کا اب اجل سے نہ کیوں معرکہ پڑے
کیا ہو جو شیر غول پہ ہرنوں کے جا پڑے
کیونکر سپاہ کیں میں نہ پھر تہلکہ پڑے
سایہ سمیت فوج پہ دو شیر آ پڑے
غل تھا کہ گھاٹ چھننے میں اب خاک دیر ہو
کیا حال ہو جو شیر کے ہمراہ شیر ہو

(۱۰۱)

قبضہ میں اس طرح نظر آئی وہ آبدار
فوارے سے نکلتی ہے پانی کی جیسے دھار
یوں میان سے جدا ہوئی طرار بُردبار
جس طرح جنتری سے نکلتا ہے صاف تار
لاکھوں کے خون ہوگئے، تلوار چل گئی
کیا بات تھی کہ میان کے منہ سے نکل گئی

(۱۰۲)

ہر زخم کو چراغ بنایا، خدا کی شان
پانی نے آگ بن کے جلایا، خدا کی شان
جوہر کا وصف آب میں پایا، خدا کی شان
سائے میں دھوپ، دھوپ میں سایہ، خدا کی شان
دل کھینچتے تھے منہ سے جو آواز پاؤں کی
بر میں تھی اک پری کے قبا دھوپ چھاؤں کی

(۱۰۳)

کس قلب کو نہ تیر نگہ سے کیا ہدف
یوں ہاتھ چل رہا تھا کہ گرتی تھی صف پہ صف
کیونکر نہ جانیں خوف سے اس بن میں ہوں تلف
جس بن میں دھوپ بن گیا گھوڑوں کے منہ کا کف
کہتے ہیں جس کو حشر وہ صحرا کا روپ تھا
کیسی وہ جا تھی جس میں کہ سایہ بھی دھوپ تھا

---

(۱) کار (۲) وہ (۳) آئے پھریرے

(۱۰۴)

جس صف پہ دست شیر عجم اٹھ کے رہ گئے
ہاتھوں میں شاعروں کے قلم اٹھ کے رہ گئے
یہ حال تھا جہاں پہ علم اٹھ کے رہ گئے
جب گرد اٹھی زمیں سے قدم اٹھ کے رہ گئے
ممکن نہ تھا کہ رن میں قدم کوئی جم سکے
کیا جنگ تھی کہ خاک کے پتلے نہ تھم سکے

(۱۰۵)

مر جائیں بھاگ کر بھی تو تدبیر کیا کریں
یوں ان کی موت آتی ہے جینے پہ جو مریں
بندش یہ ہو تو خاک طرارے فرس بھریں
الجھی ہوئی تھیں گھوڑوں کی آپس میں پاکھریں
طرفہ ہجوم تھے سپہِ نابکار کے
اِس کی رکاب پاؤں میں تھی اُس سوار کے

(۱۰۶)

جس وقت تھی یہ فوج میں تربھر یہ انتشار
مضطر ٹہل رہا تھا بن سعد نابکار
اک جا کہیں جو خیمہ میں دم بھر نہ تھا قرار
زانو پہ ہاتھ مار کے کہتا تھا بدشعار
لشکر پہ کچھ چپیٹ دم جنگ پڑ گئی
اے شمر! دیکھ بن کے لڑائی بگڑ گئی

(۱۰۷)

اتنے میں منشیوں کی ہوئی ہر طرف پکار
آئے جو وہ بگڑ کے تو بولا جفا شعار
دیکھا نہیں جو فوج میں ہے حشر آشکار
اب تک کہاں تھے دیر سے تھا کس کا انتظار
نوکر وہ کیا! ہو عذر جسے نیک دید[1] میں
کیا کیا نمک حلال ہیں فوج یزید میں

(۱۰۸)

آخر کہا شقی نے یہ غصہ کو ٹال[2] کر
ابن زیاد کو ہے ضرور آج کی خبر
لکھا تمام انہوں نے غرض حال فوج شر
تھا بعد سرگذشت یہ مضمون مختصر
عباسؑ کی وغا بھی علیؑ کی لڑائی ہے
دب کر سپاہ سب مرے خیمہ تک[3] آئی ہے

(۱۰۹)

وقت سحر سے راہیٔ ملک عدم ہے فوج
اک اک کے دو ہوئے ہیں مگر اس پہ کم ہے فوج
بے سر ہیں تن بغیر ثبات قدم ہے فوج
افسر کا کیا قصور ہزیمت شیم ہے فوج
اُکھڑیں قدم تو جنگ کا کیا کوئی نام لے
سردار پاؤں فوج کے کس طرح تھام لے

(۱۱۰)

سردار مجھ سا فرد تو کیا زوج اور بھیج
لاکھوں کی بھی سپاہ ہے پست، اوج اور بھیج
غفلت نہ کر کمک صفتِ موج اور بھیج
تھوڑے سے لوگ رہ گئے ہیں فوج اور بھیج
یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے
تلوار چل رہی ہے جناب امیرؑ سے

(۱۱۱)

تیار کر چکا جو وہ نامہ سیاہ کار
کوفے کی سمت لے کے چلا سانڈنی سوار
جھپٹا ادھر صفوں پہ وہ ضیغم پئے شکار
باجے بجے، بھڑک گئے گھوڑے، اڑا غبار
رعب جری سے جنگ کے ارماں نکل گئے
ڈھیلی جو چٹکیاں ہوئی سب بیر جل[4] گئے

(۱) جوحکم شدید (۲) تھام (۳) پہ (۴) تیر چل

(۱۱۲)

بیگانے کا یگانے پہ ہوتا نہ کیوں گماں
خاک اڑ رہی تھی تیرہ و تاریک تھا جہاں
جاتے تھے ہاتھ اندھیرے میں کیا کیا نہ رائیگاں
کھلتا نہ تھا کسی کو کدھر کا ہے یہ جواں
کیا وقت تھا کہ اپنے پرایوں سے بیر تھا
ضربت پڑی جو سر پہ تو سمجھے کہ غیر تھا

(۱۱۳)

کیا کیا لڑائیاں نہ وہ اس وقت کی کھلیں
سر پر بلائیں آ کے نہ ٹالے سے بھی ٹلیں
جانیں اندھیرے دشت میں گھٹ گھٹ کے جب چلیں
حکم امیر فوج ہوا مشعلیں جلیں
جو تھا جہاں پہ محو وہ تا دیر ہوگیا
دن کو چراغ جل گئے اندھیر ہوگیا

(۱۱۴)

آئی نظر جو آپ کو ہلچل سپاہ کی
ہمت بڑھی کچھ اور دل خیر خواہ کی
جب منتشر ہوا سے ہوئی گرد راہ کی
خیمہ پہ ابن سعد کے تن کر نگاہ کی
سمجھے جو اس نظر کو جواں سب لڑے ہوئے
افسر تمام گردِ امیر آ کھڑے ہوئے

(۱۱۵)

تیروں کی آج تک ہے علامت بنی ہوئی
انجم نہیں ہیں سقف فلک ہے چھنی ہوئی
باجوں میں تیرگی سے جو سینہ زنی ہوئی
گھوڑے چراغ پا ہوئے جب روشنی ہوئی
ظلمت وہ تھی کہ حالت شب میں بسر ہوئی
مہتاب منہ پہ چھٹ گئے جس کے سحر ہوئی

(۱۱۶)

کٹ کر زمیں پہ تیغ سے جب پہلواں گرے
سیل آئی زور میں تو یکا یک مکاں گرے
پیچھے دبی جو فوج صفوں میں جواں[1] گرے
خیمہ پہ ابن سعد شقی کے نشاں[2] گرے
سردار کی بھی جرأتوں کا طور کھل گیا
اُلٹی جو آستین تو ہاتھ اور کھل گیا

(۱۱۷)

آیا جدھر کو شیر پرے کا پرا نہ تھا
تیغوں میں ابرؤں پہ کہیں بل ذرا نہ تھا
(قلب) و جناح و میمنہ وَ میسرہ نہ تھا
خالی صفیں ہوئی تھیں مگر دل بھرا نہ تھا
نعرہ یہ تھا کہاں سپہ شام و روم تھی[3]
او ابن سعد بس اسی لشکر کی دھوم تھی[4]

(۱۱۸)

کس طرح ہاتھ قفل ظفر کی کلید آئے
آئے کمک تو فوج میں اک تازہ عید آئے
کوئی تو بہر حفظِ دَرید و بُرید آئے
ابن زیاد کیا مع لشکر یزید آئے
جائے گی جس طرف صفت موج جائے گی
یہ ہاتھ ہیں تو بچ کے کہاں فوج جائے گی

(۱۱۹)

یہ کہہ کے ابن سعد کے خیمہ پہ جا پڑے
ٹل جائے کیوں نہ فوج جو یہ معرکہ پڑے
کس طرح بزدلوں میں نہ پھر تہلکہ پڑے
یوں آئے شمر پر کہ اسد جیسے آ پڑے
کیوں دم بدم نہ جوش ہو تیغ آزمائی کا
سردار قید ہوں تو مزا ہے لڑائی کا

(۱) نشاں (۲) جواں (۳) ہے (۴) ہے

(۱۲۰)

کیا ہو بلا اجل کی کسی کے جو سر پڑے
تلواریں پھر بلند ہوئیں کھیت پھر پڑے
میداں سے جن کے پاؤں بھی اُٹھے وہ پھر پڑے
کچھ ہو سکا نہ ایک پہ گو لاکھ گر پڑے
فولاد بھی تھے موم وہ دل تھا دلیر کا
روباہ لاکھوں ہوں تو ضرر کیا ہے شیر کا

(۱۲۱)

خیمہ کی سمت آپ جو گھوڑا ڈپٹ کے آئے
گیتی ہلی، ہٹے ہوئے لشکر سمٹ کے آئے
مارا اُسے جو ہاتھ تو اِس پر پلٹ کے آئے
ڈانٹا کبھی اُسے کبھی اِس پر جھپٹ کے آئے
آئے جو آپ موت ستمگر کی پھر پڑی
لرزہ یہ دل کہ ہاتھ سے تلوار گر پڑی

(۱۲۲)

برپا تھی کیا سپاہ میں ہلچل لڑائی سے
بھر بھر گئے تھے خون کے جل تھل لڑائی سے
کہتا تھا گونج گونج کے جنگل لڑائی سے
جنگ اخیر بڑھ گئی اول لڑائی سے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سمند تھے
یہ ہاتھ اُس لڑائی سے ہاتھوں بلند تھے

(۱۲۳)

فقروں میں تیغ، تیز رہی اک جہان سے
قائل اگر ہوئی بھی تو اپنی زبان سے
کم تھا نہ اس کا حسن بھی لیلیٰ کی شان سے
کہتی تھی یہ چمک ابھی اتری ہے سان سے
یوں مرتضیٰؑ ہی نے نہ فقط تیغ پائی ہے
عباسؑ کو بھی چرخ سے تلوار آئی ہے

(۱۲۴)

تلوار روک لی کہیں چہرے بگاڑ کے
طبقے ہلا دیئے کہیں نیزے کو گاڑ کے
آخر عبث کے بوجھ کو نظروں میں تاڑ کے
دامن زرہ کے پھینک دیئے پھاڑ پھاڑ کے
جنگل لرز رہا تھا قیامت کا شور تھا
دستانے ہاتھ پکڑے تھے اس پر یہ زور تھا

(۱۲۵)

گھوڑے لہو میں لعل تھے ادنیٰ سی تھی یہ جنگ
سبزے سرنگ ہو گئے بدلا یہ رن نے رنگ
بسمل پھڑک رہے تھے لڑائی کا تھا یہ ڈھنگ
چار آئینہ میں آپ تھے پانی میں یا نہنگ
یوں جنگ کی لباسِ وغا میں دلیر نے
پانی میں جیسے ہاتھ لگائے ہوں شیر نے

(۱۲۶)

کالے علم کھلے تو سیاہی سی چھا گئی
آئے جدھر جھپٹ کے اجل سر پہ آ گئی
پٹکا جواں کہیں تو زمیں تھرتھرا گئی
کاٹی زرہ کسی کی تو کوسوں صدا گئی
حمزہ کی کارزار تھی حیدرؑ کی حرب تھی
مانگی اماں حدید نے جس سے وہ ضرب تھی

(۱۲۷)

آیا جدھر ہژبر صفوں میں پئے شکار
باجے بجے، بھڑک گئے گھوڑے، گرے سوار
نیزوں میں تا زمیں جو سموں کا نہ تھا گذار
لشکر میں رہ گئے تھے الف ہوکے راہوار
انسان کس طرح سے وہاں کاربند ہوں
دست اماں جہاں فرسوں کے بلند ہوں

(۱۲۸)

وہ تیغ جس میں آئینہ کی صاف آب و تاب
جوہر وہ جس سے موئے تن حور کو حجاب
اس طرح زخم تن سے نکلتی تھی وہ خوش آب
جس طرح کھینچتے ہیں گل سرخ سے گلاب
قدرت خدا کی آگ بھی تھی اس خوش آب میں
جوہر نہ تھے بخار اٹھا تھا گلاب میں

(۱۲۹)

کشتِ حیات، تیغ نہ کیوں کر کرے دِرَو
خوں ریزیوں کے وقت بہانے تھے اس کو سو
قبضہ سے کب بلند تھی اس برق (وش) کے ضو
کیا آگ تھا مزاج کہ نکلی تھی منہ سے لو
اب اس کی آب و تاب کا کیوں کر حساب ہو
سر سے بلند جس کے کٹورے کا آب ہو

(۱۳۰)

[1]یوں لڑ رہا تھا شیر کہ بے چین تھے حسینؑ
یاد آ رہی تھی چابکیٔ فاتحؑ حنین
تھی دم بدم جو باڑھ پہ ہاتھوں کی زیب و زین
دم کر رہا تھا بازوؤں پہ حسن جوشنین
تننے میں آنکھیں جنگ پہ جب تل کے رہ گئیں
کڑیاں زرہ کی جسم میں کھل کھل کے رہ گئیں

(۱۳۱)

نابیں وہ جن پہ صدقے پری کی ہر ایک رگ
قبضہ پہ یوں وہ ہاتھ انگوٹھی پہ جیسے نگ
کیوں کر رہے اجل بھی نہ اس سے الگ تھلگ
بُرّش وہ جس سے آپ بھی تھے ہاتھ بھر الگ
لازم ہے اس سے خوف بھی گو پشت اِدھر کو ہے
اب کہئے ان کا حال ہو کیا منہ جدھر کو ہے

(۱۳۲)

ہاں ساقیا دکھا مجھے خونریزی سبو
کر موج مئے کو تیغ رگِ گردن عدو
ہو بے محل جو قلقلِ مینا کی گفتگو
دکھلا دے چشمِ جام میں اترا ہوا لہو
کیوں دیر کی ہے گردش ایام کی طرح
کب تک لہو کے گھونٹ پیوں جام کی طرح

(۱۳۳)

ڈھالیں اٹھی ہیں ابر گہر بار کی طرح
افسردہ دل ہوں مردم بیمار کی طرح
جنباں قدم ہیں ضعف سے میخوار کی طرح
وہ مئے پلا کھنچی ہو جو تلوار کی طرح
گرما کے مست بند قبا کھولنے لگے
قلقل سنو، تو کان میں رن بولنے لگے

(۱۳۴)

حملے کئے جو آپ نے شیر الٰہ کے
بھاگے جوان فوج ضلالت پناہ کے
آخر کو اٹھ سکے جو نہ صدمے نگاہ کے
خجلت سے سر جھکے قدم اٹھے سپاہ کے
چھپٹے جو آپ در کی طرف منہ کو موڑ کے
بھاگی سپاہ خیمۂ افسر کو چھوڑ کے

(۱۳۵)

پہنچی جو فوج بھاگ کے میداں سے دور دور
خیمہ میں ابن سعد کے داخل ہوئے حضور
دیکھا کہ گرد و پیش ہیں کچھ اہل مکر[2] و زور
ہیں سب کے بیچ میں عمرو شمر پر غرور
جان امیر کے تھے جو لالے پڑے ہوئے
تلواریں کھینچ کھینچ کے سب اٹھ[3] کھڑے ہوئے

(۱) یوں شیر لڑ رہا تھا (۲) کبر (۳) آ

(۱۳۶)

بازو میں تھے جو زور شہ قلعہ گیر کے
ہوش اُڑ گئے سرانِ سپاہ شریر کے
بڑھنے لگے جو اور بھی لوگوں کو چیر کے
افسر تمام [1]چھا گئے سر پر امیر کے
یاں بھی جو آرزوئے وغا تھی نکل گئی
غل پڑ گیا کہ خیمہ میں تلوار چل گئی

(۱۳۷)

اک ہاتھ میں یہ دو ہوا وہ چار ہوگیا
جو تھا جہاں پہ نقش بہ دیوار ہوگیا
زنگاری خیمہ خون سے گلنار ہوگیا
جانیں جو دیں امیر کا یہ پیار ہوگیا
سالم زرہ میں تن نہ کوئی سر تھا خود میں
تھے فرق افسروں کے ستمگر کی گود میں

(۱۳۸)

بیٹے ہیں کس کے مالک و مختار کیوں نہ ہوں
دشمن کے گھر پہ قبضۂ سرکار کیوں نہ ہوں
دو ہاتھ آپ چھوڑ دیں جب چار کیوں نہ ہوں
سر گود میں گرے ہوں تو سردار کیوں نہ ہوں
چھوڑا تھا کوئی سر جو سلامت نہ خود میں
سر اپنے سب لئے ہوئے بیٹھے تھے گود میں

(۱۳۹)

دیکھا سوئے امیر کبھی منہ کو موڑ کے
آئی ہنسی ہٹا جو کوئی ہاتھ جوڑ کے
کوڑے پہ رکھ لیا کسی ظالم کو چھوڑ کے
رکھ دی کسی کی غیظ میں گردن مروڑ کے
برچھی تھی یا نگاہ غضب تھی دلیر کی
پنجہ تھا ببر کا تو کلائی تھی شیر کی

(۱) بھاگے سپاہ کثیر (۲) کو

(۱۴۰)

آخر یہ[2] گرم موت کے بازار ہو گئے
خود اپنے سر کے آپ خریدار ہو گئے
دو جس جگہ پہ مل کے اٹھے چار ہو گئے
دہلے جو دل تو پاؤں بھی بیکار ہو گئے
کب دل نہ ابن سعد شقی کا دہل گیا
جو لاش اٹھ کے سر پہ گری دم نکل گیا

(۱۴۱)

پھر کیا تھا گر وغائے ہژبر صمد نہ تھی
کیوں کر یہ جنگ تھی جو اُدھر کی مدد نہ تھی
کس سر پہ گر کے جسم سے وہ تیغ رد نہ تھی
واں کی یہ ضرب تھی کہ جہاں جائے زد نہ تھی
دیکھے محل جری نے جو ہاتھوں کی آڑ کے
پٹکا زمیں پہ خیمہ سرکش اکھاڑ کے

(۱۴۲)

آخر کو اس قدر ہوئی میداں میں کارزار
باقی رہا امیر کا کوئی نہ جاں نثار
خود رہ گیا تھا ایک اور اک شمر نابکار
دیکھا جو یہ چلا وہ غضنفر پئے شکار
قصہ تمام ختم ہوا دار و گیر کا
مشکیں بندھیں تو حال کھلا کچھ امیر کا

(۱۴۳)

یوں آپ گرم معرکۂ کارزار تھے
ہر بار نعرہ اسد کردگار تھے
بسمل جو قلب تھے جو جگر بے قرار تھے
جوہر ہر ایک تیغ میں کب آشکار تھے
کوئی نہ تھا شقی کی جو امداد کے لئے
تیغوں نے بال کھولے تھے فریاد کے لئے

(۱۴۴)

لشکر نے بھی جو دور سے دیکھا یہ ماجرا
ہیں قید اک کمند میں دو بانیٔ جفا
گھبرائے سب تو ایک سے یہ ایک نے کہا
دیکھو تو کون لوگ ہیں یہ کیا ہے سانحہ[۱]
ایسے خیال دل کو نہ کس طرح تیر ہوں
ایسا نہ ہو کہ شمر و عمر یہ اسیر ہوں

(۱۴۵)

گھوڑے بڑھا بڑھا کے بلندی پہ آئے لوگ
کالے علم بھی پہنے تھے بر میں لباس سوگ
تھا بھاگنے کا رن سے طبیعت میں جن کے روگ
چلائے وہ کہ شمر و عمر پر پڑا بجوگ
وہ کب بچیں گے شیر کے جو صید ہوگئے
غل پڑ گیا کہ شمر و عمر قید ہوگئے

(۱۴۶)

لایا جو باندھ کر انہیں ضیغم دم وغا
منھ کر کے سوئے فوج یہ بھاگوں کو دی صدا
یہ کون ہیں بندھے ہوئے تم پر بھی کچھ کھلا
لاتے ہیں یوں نکال کے دلبند مرتضیٰ
بھولو نہ اپنے[۲] قبل کی گفت و شنید کو
سردار قید ہوگئے لکھو یزید کو

(۱۴۷)

سردار دونوں جاتے ہیں محبس میں قید کو
دیں سانڈنی سوار خبر عمرو و زید کو
آخر کڑی میں بھول گئے مکر و کید کو
لاکھوں سے یوں نکال کے لاتے ہیں صید کو
کیوں کیا ہوا چڑھائے تھے چاک آستین کے
تم میں بھی کوئی ہے کہ جو لے جائے چھین کے

(۱۴۸)

آتے نہیں نبرد کو پھر مرد و زوج کیوں
گر ہیں وہی نشاں تو نہ دکھلائیں اوج کیوں
آئیں نظر نہ پھر وہ صفیں مثل موج کیوں
نامرد ہو رئیس تو دے جان فوج کیوں
بندھوا دیا شقی نے بڑا بے تمیز ہے
تم کیا کرو رئیس ہی لشکر کا بیز ہے

(۱۴۹)

پابند کیوں نہ ہوں نہ کوئی دستگیر تھا
ہوتا نہ قید کیوں کہ بلا میں اسیر تھا
بھاگا نہ سب کے ساتھ جری وہ شریر تھا
کہنا نہ اب یہ منہ سے کہ بودا امیر تھا
کوئی تو گاڑ دے قدم اس رنگ ڈھنگ سے
بندھوا دیا مگر نہ ہٹا دشت جنگ سے

(۱۵۰)

یہ کہہ کے چاہا دونوں کے سر کو کریں جدا
شبیرؑ نے بھی دور سے دیکھا یہ ماجرا
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہ ہدا
کہنا ہے کچھ حسینؑ کو ٹھہرو تو اک ذرا
مشتاق دید دیر سے ہیں منہ کو موڑ دو
بھائی ہمارے سر کی قسم ان کو چھوڑ دو

(۱۵۱)

قید اور رئیس فوج یہ[۳] ہے کبریا کی شان
ہم جانتے ہیں تم سا جہاں میں نہیں جوان
منّت پہ کچھ ہماری بھی لازم ہے تم کو دھیان
لو اب تو چھوڑو دیکھ لی عالم نے آن بان
اس وقت گو نہیں یہ گوارا نہیں سہی
لاکھوں میں تم نے دو کو نہ مارا نہیں سہی

(۱) سانحہ ہے کیا (۲) اپنی (۳) ہو

(۱۵۲)

گذرے یونہیں علیؑ کو بھی ہیں[۱] سال و ماہ و یوم
جاگے علیؑ اسیروں کو جب تک نہ آئی نوم
گو یہ نہیں ہیں صاحب حج و صلوٰۃ و صوم
لازم مگر ہے پاس کہ یہ ہیں بزرگ قوم
اس کے علاوہ قلب کو صدمے بلا کے ہیں
باندھا ہے تم نے جن کو یہ بندے خدا کے ہیں

(۱۵۳)

تم کو تو ابتدا سے یہ حال آشکار ہے
نانا کی طرح ان پہ مرا[۲] چاہ، پیار ہے
بیتاب کیوں نہ ہوں کہ جگر بے قرار ہے
لے لیں یہ سر مرا تو تمہیں اختیار ہے
مارو نہ ان کو گو یہ ضلالت شعار ہیں
یہ میرے پاس امانتِ پروردگار ہیں

(۱۵۴)

کیا اس سے کام اُنہیں جو گدا ہوں فقیر ہوں
لازم ہے رحم انہیں کہ جو کل کے امیر ہوں
محبوس، اہلبیتِ شہِ قلعہ گیر ہوں
یہ قید سے چھٹیں مرے بچے اسیر ہوں
تم کو تو ان امور میں کوشش زیاد ہے
کہتے ہیں جس کو صبر وہ میرا جہاد ہے

(۱۵۵)

یہ سن کے اس دلیر نے بس چھوڑ دی کمند
آلاتِ حرب ہل گئے لرزا یہ بند بند
چھٹ کر چلے[۳] جو وہ تو یہ بولا وہ ارجمند
حکمِ خدا ہے حکم شہنشاہِ حق پسند
حضرت پہ منکشف ہے جو دل کا مآل تھا[۴]
خادم کو حکمِ بنتِ علیؑ کا خیال تھا[۵]

(۱۵۶)

کہنے کو یہ کہا پہ عجب حال ہوگیا
صدمہ سے دل دلیر کا پامال ہوگیا
عارض ہر اک گلاب کی تمثال ہوگیا
غصہ کیا جو ضبط تو منہ لال ہوگیا
دو تیرِ غم جو ایک کلیجہ میں گڑ گئے
وہ آہ کی کہ بند قبا کے اکھڑ گئے

(۱۵۷)

کی عرض میں حضور کا ادنا سا ہوں غلام
حکم امام میں نہیں انکار کا مقام
کیا ہو کسی کو امر اولی الامر میں کلام
میں ہوں مطیع، مفترض الطاعہ ہیں امام
پیدا تھا صاف صاف یہ طرز کلام سے
مجبور میں اگر ہوں تو حکم امام سے

(۱۵۸)

یہ سن کے پاس خلق کا سردار آ گیا
امڈا یہ دل کہ منہ کو دلِ زار آ گیا
باتوں میں وقتِ عرصہ پیکار آ گیا
بھائی سے شہؑ لپٹ گئے یہ پیار آگیا
فرمایا تم نہ دل پہ عبث کا ملال لو
صدمہ ہو کچھ تو بھائی پہ غصہ نکال لو

(۱۵۹)

[۶]یہ سنتے ہی سواریٔ شیر وغا چلی
دامان زیں کو تھام کے شہ کی دعا چلی
گھوڑا چلا کہ نہر کی جانب صبا چلی
گیتی ہلی، شجر ہوئے جنباں، ہوا چلی
ٹاپوں سے ہر فراز زمیں پست ہوگیا
صحرا تمام مثل کفِ دست ہوگیا

(۱)ہر(۲)چاہ و پیار(۳)شق(۴)وہ جو دل کا حال ہے(۵)ہے(۶)(مطلع) میداں کو جب۔۔۔

(۱۶۰)

جس شان سے صفوں پہ ہژبر عریں گیا
اب تک تو اس طرح کوئی غازی نہیں گیا
اس دن غبار یوں سوئے چرخ بریں گیا
اُلٹا یہ آسمان کہ زیر زمیں گیا
موجود ہے نگاہ سے گو بے نمود ہے
جیسے فلک کا زیر زمیں بھی وجود ہے

(۱۶۱)

جب باگ لی عقاب کی اس شہسوار نے
چھوڑی جگہ سپاہ ضلالت شعار نے
کھینچا یہ سر کو معرکۂ کارزار نے
اونچا کیا فلک کو زمیں سے غبار نے
اس قول پر گواہ سم ہر سمند ہے
اُس دن کی خاک سے فلک اتنا بلند ہے

(۱۶۲)

یوں صف پہ چل کے دست ہژبر عجم تھے
لکھنے میں سطر پر کوئی جیسے قلم تھے
گرد اس قدر اڑی کہ نہ اہل ستم تھے
ماہی کی پشت پر فرسوں کے قدم تھے
نیزے تھے یا کہ خار تھے ساہی کی پشت پر
اب تک نشاں سموں کے ہیں ماہی کی پشت پر

(۱۶۳)

گھوڑوں کے دوڑنے سے دبی جاتی تھی سمک
ٹاپیں پڑیں تو گاوِ زمیں تک گئی دھمک
اس دن کا ہے غبار نمایاں نہیں فلک
آخر اٹھی یہ گرد کہ بیٹھی نہ آج تک
انساں کے تن کا اُن میں بھلا کیا شمار ہے
جس کے سموں کی گرد سے نیلا غبار ہے

(۱۶۴)

گھوڑوں کے دوڑنے کا ہو کیا حال اب رقم
ماہی کے خود زمین پہ ٹکتے نہیں قدم
کہتا ہوں کھا کے جرأت عباسؑ کی قسم
اٹھتے تھے دشتِ کیں سے بگولے نہ دم بدم
درکار دستگیر جو تھا اک جہان کو
دیتی تھی ہاتھ اُٹھا کے زمین آسمان کو

(۱۶۵)

جس کے گلے نبرد میں وہ جانستاں ملی
نکلا یہ اس کے منہ سے کہ اب تن کو جاں ملی
چادر ہلائی گرد نے جب تب اماں ملی
اٹھی جو گردباد زمیں کو زباں ملی
پہنچی فلک پہ گرد یہ اس دن جہان سے
باتیں زمین کرنے لگی آسمان سے

(۱۶۶)

پہلے[1] وغا سے فوج ہوئی تھی جو سب تباہ
خالی تھا دشت دور نظر آتی تھی سپاہ
پیاسے تھے تین دن سے جو سلطان دیں پناہ
دریا کی سمت جاتے تھے نیچی کئے نگاہ
مطلب یہ تھا کہ خشک زبان امام ہے
پانی پہ بے حسینؑ نظر بھی حرام ہے

(۱۶۷)

پیاسوں کے کان تک جو وہاں بھی صدا گئی
تڑپا یہ دل کہ جان حزین سنسنا گئی
ناگہ ہر ایک موج جگر[2] کو ہلا گئی
گھوڑے نے ہنہنا کے کہا نہر آگئی
دل کو خیال شاہ نے پُر درد کر دیا
ٹھنڈی ہوا نے زیست سے دل سرد کر دیا

(۱) پہلی (۲) زمیں

(۱۶۸)

آیا فرس بڑھا کے بلندی پہ شیر نر
تن کر فرس پہ فوج کو دیکھا ادھر اُدھر
مطلب یہ تھا کہیں میں نہ کوئی ہو بد گہر
پھر کر کدھر سے آئیں کدھر سے کریں گذر
آخر کو دل میں کچھ جو ارادے ٹھہر گئے
گھوڑا بڑھا کے ایک طرف سے اُتر گئے

(۱۶۹)

زائل ہوئی تھی پیاس سے یہ قوت نظر
دریا کو دھوپ جان کے رویا وہ پر جگر
منہ کو پھرا کے تکنے لگے جب ادھر ادھر
حیرت ہوئی کہ نہر یہاں سے گئی کدھر
آواز دی یہ شہؑ کو اب آقا میں کیا کروں
دریا سراب ہوگیا مولا میں کیا کروں

(۱۷۰)

شہؑ نے یہ دی صدا کہ تمہیں اشتباہ ہے
دریا وہیں ہے اور یہی دریا کی راہ ہے
تم سا بھی تشنہ لب نہیں خالق گواہ ہے
اللہ کس قدر تمہیں ضعفِ نگاہ ہے
جو کچھ کہو بجا ہے نہ کیوں یہ خیال ہو
اب پیر کیا کہیں یہ جواں کا جو حال ہو

(۱۷۱)

اتنے میں آئی کان میں آواز آب بھی
داخل ہوئے فرات میں خود بھی عقاب بھی
آئی جو یادِ سبط رسالت مآبؐ بھی
گھوڑا بھی تشنہ لب نکل آیا جنابؑ بھی
اب ذی حیات کیوں نہ ہوں بیتاب دیکھ کر
منہ مشک نے بھی کھول دیا آب دیکھ کر

(۱۷۲)

نکلا جو مشکِ آب کو لے کر وہ شیر نر
دیواریں آئیں قلعۂ فولاد کی نظر
کوسوں زمیں سیاہ ہے[1] پھیلی ہے[2] فوج شر
کالے نشان کھنچے ہیں[3] سب آسماں پہ سر
صدمہ خیالِ مشک سے جانِ حزیں پہ ہے[4]
یوں تیر چل رہے ہیں کہ سایہ زمیں پہ ہے[5]

(۱۷۳)

ناگہہ ملے کمانوں سے اسّی ہزار تیر
تیغوں کے ساتھ چلنے لگے بار بار تیر
تھے جسم پر دلیر کے ساہی کے خار تیر
سو تن پہ آ کے پڑ گئے کھنچے جو چار تیر
جرأت میں کم نہ تھے یہ شہ قلعہ گیر سے
روزن کوئی زرہ کا نہ خالی تھا تیر سے

(۱۷۴)

سب خوں سے آفتاب سا چہرہ تھا لالہ رنگ
اک جسم زار اور تبر و تیر و گرز و سنگ
پہنچا دو آب خیمہ میں دل کی یہ تھی امنگ
چھد چھد کے رہ گئے ہیں پھریرے میں بھی خدنگ
رہ جائے اب علم بھی نہ کیوں کانپ کانپ کے
روتے تھے تیر ظلم بھی منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

(۱۷۵)

اوچھی پڑی جو تیغ کہیں منہ سے واہ کی
گہہ روئے مشک دیکھ کے گہہ دل سے آہ کی
رایت سے گہہ ہٹانے لگے گرد راہ کی
گہہ خیمہ حسینؑ پہ تن کر نگاہ کی
مطلب یہ تھا صغیر نہ واں بے حواس ہوں
نیزے سے دے دوں مشک جو شبیرؑ پاس ہوں

(۱)تھی (۲)تھی (۳)تھے (۴)تھا (۵)تھا

(۱۷۶)

دیکھی کہیں جو سانس فرس کو ڈپٹ کے آئے
بھاگا وہ، آستین کو جس پر الٹ کے آئے
اک تشنہ وغریب پہ جب سب سمٹ کے آئے
ابروئے پاک ماتھے سے آنکھوں پہ کٹ کے[۱] آئے
افسوس دہنے بائیں کے جب لوگ پھر پڑے
دو ہاتھ دونوں سمت کے کٹ کٹ کے گر پڑے

(۱۷۷)

دانتوں میں مشکِ آب[۲] بلا میں اسیر ہیں
خود ایک اور ہجوم سپاہ کثیر ہیں
زوروں پہ ضعف ہے جگر و دل اخیر ہیں
سینہ رکھیں جو مشک پہ سینہ پہ تیر ہیں
آخر بلا میں دوست بھی تو ساتھ چاہئیں
روکیں سپر تو اس کے لئے ہاتھ چاہئیں

(۱۷۸)

ایسے کہیں جری نہ کہیں باوفا ہوئے
بچوں کی پیاس کے لئے شانے جدا ہوئے
بے دست پر وغا میں جو نرغے سوا ہوئے
غصہ یہ تھا کہ ہاتھ ابھی تک تھے کیا ہوئے
ہاتھوں کے غم میں شکل یہ خود تھی دلیر کی
بازو الگ طپاں تھے جدائی میں شیر کی

(۱۷۹)

ناوک ادھر کماں سے کسی نے کیا رہا
پانی چلا یہ آنسوؤں نے بہہ کے دی صدا
ناگاہ آ کے مشک پہ وہ تیر پڑ گیا
پانی کے ساتھ شیر بھی تھرا کے گر پڑا
گرنے میں بھی فرس سے یہی گفتگو رہی
کس کام کی وہ جان نہ جب آبرو رہی

(۱۸۰)

یاں تھا[۳] یہ حال اور ادھر کی تھی[۴] یہ خبر
تکتی تھی در سے زوجۂ عباسؑ نامور
ہر سو نگاہ کرنے میں آئے نہ جب نظر
گھبرا کے نور عین سے بولی وہ نوحہ گر
گر کچھ نہیں تو مرہم زخم جگر تو لاؤ
بیٹا چچا سے جا کے پدر کی خبر تو لاؤ

(۱۸۱)

یہ ذکر تھا کہ[۵] شاہؑ کو اکبرؑ نے دی خبر
چلئے گرے فرس سے علمدار نامور
فرمایا کیا کہا کہ شکستہ ہوا جگر
اکبرؑ! سنبھالو ہم کو جھکی جاتی ہے کمر
میں بھی کہوں کہ کیوں نظر آئے نہ دیر سے
ہے ہے ابھی تو لڑتے تھے دریا پہ شیر سے

(۱۸۲)

یہ کہہ کے سر برہنہ چلے سرورؑ ہُدا
تلوار ہاتھ میں تھی گریبان تھا پھٹا
دیتے تھے آپ اَینَ اَخِیْ کی جہاں صدا
روتے تھے طائران بیابان کربلا
بھائی کی یاں[۶] تھی یاد حسینؑ دلیر کو
واں ہچکیاں ترائی میں آتی ہیں[۷] شیر کو

(۱۸۳)

ہاتھوں سے باپ کے جو مشابہ تھے سر بسر
ڈر تھا کہیں پڑے نہ ہوں وہ ہاتھ خاک پر
تھا پاس اس بزرگ کا حضرت کو اس قدر
جاتے تھے دیکھتے ہوئے سرور ادھر ادھر
یہ حال تھا کہ آپ اُٹھانے کو جھک گئے
دیکھے کسی کے ہاتھ جہاں پاؤں رک گئے

(۱) لٹ کے (۲) آب مشک (۳) کا (۴) ہے (۵) اتنے میں آ کے (۶) ہے (۷) تھیں

(۱۸۴)

ناگاہ بعد طئے مراحل زمین پر
مشتاق جن کے تھے وہی ہاتھ آ گئے نظر
آخر کو صدر پاک میں تڑپا دل اس قدر
بھائی کے ہاتھ اٹھا لئے ریتی سے دوڑ کر
دونوں میں شوق باطنیٔ دل جو بٹ گئے
بازو سے آپ آپ سے بازو لپٹ گئے

(۱۸۵)

افسوس وہ بھرے ہوئے بازو کی مچھلیاں
شرمائیں جس سے گلشن جنت کی ڈالیاں
گلدستہ جناں تھیں کہ گل سی ہتھیلیاں[1]
قبضہ کی وہ گرفت سے خم کھائیں انگلیاں
ظاہر تھا دست و تیغ کے اس وقت ساتھ سے
تلوار بعد مرگ بھی چھوٹی نہ ہاتھ سے

(۱۸۶)

اے اہل بزم روئیے اب یاد شاہؑ میں
دنیا سیاہ ہے شہؑ دیں کی نگاہ میں
وہ ہاتھ تھے جو دست شہؑ دیں پناہ میں
سب اک زباں تھے لوگ ادھر کی سپاہ میں
کیا ذکر ایک دوسرے کی باوفائی کا
مر کر بھی ہاتھ[2] بھائی نے چھوڑا نہ بھائی کا

(۱۸۷)

دیکھا یہ آئے لاش پہ جب سرور زماں
پھیلے قدم سمیٹے ہیں آتی ہیں ہچکیاں
منہ کو پھرائے نہر سے لیٹا ہے وہ جواں
دریا کے رخ کو چھوڑ کے ہے خون تن رواں
زخموں سے جسم چور ہے سینہ فگار ہے
جو تیر ہے بدن میں وہ اک خوں کی دھار ہے

(۱۸۸)

فرمایا شہؑ نے ہائیں[3] یہ کیا حال ہو گیا
کیا جسم میرے ہوتے میں پامال ہو گیا
مر کر جری جو شیر کی تمثال ہوگیا
زوروں میں خوں جدھر کو بہا ڈھال ہوگیا
تھرائے ہاتھ پاؤں بدن سنسنا گیا
خوں بھائی نے جو بھائی کا دیکھا غش آ گیا

(۱۸۹)

اٹھے جو غش سے چونک کے سلطان کربلا
پہلے خدنگ شہ نے بدن سے کئے جدا
پھر منہ کو منہ پر رکھ کے یہ حضرت نے دی صدا
اے دوست، بھائی، [4]باپ، پسر میں ترے فدا
بازو قوی تھے، درد کمر میں ذرا نہ تھا
کس کا مزا حسینؑ کو تجھ سے ملا نہ تھا

(۱۹۰)

چونکوگے یا غریب ہو بے آس[5] کچھ کہو
آتے ہیں مجھ کو سیکڑوں وسواس کچھ کہو
امید کچھ مجھے ہو کہ ہو یاس کچھ کہو
یہ ہچکیاں ہیں کون سی عباسؑ کچھ کہو
خوں حلق میں جما ہے تن زخمدار کا
یا ساتھ چھوڑتے ہو غریب الدیار کا

(۱۹۱)

بھائی جواب دو نہیں مر جائے گا حسینؑ
اک آہ کرکے جی سے گذر جائے گا حسینؑ
بن بھائی سب کہیں گے جدھر جائے گا حسینؑ
ٹوٹی کمر کو لے کے کدھر جائے گا حسینؑ
گو صبر میں غریب بھی یکتا و فرد ہے
پر دل ہی جانتا ہے کمر میں جو درد ہے

(۱) کلائیاں (۲) ساتھ (۳) ہائے (۴) میرے پسر تجھ پہ میں (۵) چونکو غریب دیکس وبے آس

(۱۹۲)

مایوس گہہ ہوئے کبھی شانہ ہلا گئے
منہ رکھ کے منہ پہ گاہ گلے سے لگا گئے
آیا جو ہوش عضو بدن تھرتھرا گئے
کی عرض پاؤں کھینچ کے ہیں آپ آ گئے
تعظیم کا جو قصد کیا زخم پھٹ گئے
پیار آ گیا حسینؑ گلے سے لپٹ گئے

(۱۹۳)

بولے لٹا کے جلد شہنشاہ خاص و عام
کیوں برچھیاں لگاتے ہو بسمل ہے خود امام
تم نے تو بھائی سے وہ کیا اے فلک مقام
شبیرؑ تم کو جھک کے ادب سے کرے سلام
باتیں یہ سب ہیں میرے رلانے کے واسطے
آیا تھا میں تو پاؤں دبانے کے واسطے

(۱۹۴)

یہ سن کے دل تڑپ گیا لرزا بدن تمام
گھبرا کے اٹھ کھڑے ہوئے مولائے خاص و عام
مضطر ہوئے جو شاہؑ تو بولا وہ نیک نام
گھبرایئے نہ آپ اب اچھا ہے یہ غلام
کیونکر نہ ہو یہ حال کہ ہر غم پہ چرب ہے
محرومیٔ زیارتِ آخر کا کرب ہے

(۱۹۵)

دنیا میں بھی رکھا تھا قدم جب غلام نے
دیکھی تھی شکل آپ ہی کی مستہام نے
کیا کیا نہ شفقتیں کیں شہ خاص و عام نے
حسرت یہ ہے کہ اب بھی وہ صورت ہو سامنے
دنیا کے کل[1] امور سے دل بے خبر رہے
دم بھی جو دوں تو آپ کے قدموں پہ سر رہے

(۱۹۶)

یہ سن کے شاہ بڑھ گئے کچھ اور بھی قریب
فرمایا دیکھ لو نا کہ حاضر ہے یہ غریب
رو کر کہا کہ اے مرضِ قلب کے طبیب
آنکھوں کے خون سے ہوں زیارت سے بے نصیب
بے دوست ہوں تو کیوں نہ جگر چاک چاک ہو
کس طرح خوں جما ہوا آنکھوں سے پاک ہو

(۱۹۷)

پوچھا قبا سے خون، یہ سن کر امامؑ نے
آنکھوں کو مل کے کھول دیا نیک نام نے
چھلکایا اتنی دیر میں بادہ کو جام نے
نکلی بدن سے روح شہ دیں کے سامنے
کیا جلد تیغِ تیزِ اجل دل پہ چل گئی
آنکھوں کے در سے آرزوئے دل نکل گئی

(۱۹۸)

شبیرؑ سر کو پیٹ کے چلائے ہائے ہائے
بھائی کو بھائی ڈھونڈھنے اب کس طرف کو جائے
گہہ دیکھی شان ہاتھ کبھی جسم سے ملائے
گہہ پائنتی گئے تو کبھی پہلوؤں میں آئے
کہتے ہیں شیر دشت میں سب کانپنے لگے
بھائی کی لاش ہاتھ سے جب ڈھانپنے لگے

(۱۹۹)

عباسؑ کی وفا تو سنی سب نے سر بسر
پانی پیا نہ بھائی کی الفت میں نہر پر
شہؑ کی وفا بھی جانتے ہیں صاحب خبر
دھونے لگا جو شمر سرِ شاہ بحر و بر
اہل وفا زمین کے پیوند ہوگئے
پانی میں آکے سر کے بھی لب بند ہوگئے

(۱) ہر

(۲۰۰)

ماہرؔ بس اب خموش کہ ہے دل کا حال اور
کر ختم مرثیہ کہ ہے یاں احتمال اور
دھیان اور اب ہے قلب حزیں کو خیال اور
پھر اب[1] سناؤں گا سخنِ غم مآل اور
محظوظ سامعیں ہوئے بیکار طول ہے
مطلب جو تیرے دل کا تھا وہ بھی حصول ہے

❁❁❁

(۱) اب پھر

نوٹ: حضرت ماہرؔ کا یہ مرثیہ بحر مضارع میں ۴۷۹ بند کا ہے جو حضرت ابوالفضل العباسؑ اور امام حسین علیہ السلام کے فضائل، غم انگیز بیانات اور پھر امام مظلوم ہی کی شہادت پر ختم ہوا ہے مگر بندہ کو ۲۰۰ ر بند تک دو شکستہ اور کرم خوردہ ناتمام نسخے موصول ہوئے۔ دونوں نسخے حصہ اول کے ہیں جو حضرت عباسؑ سے متعلق ہیں اور حصہ دوم جو حضرت امام حسینؑ سے متعلق ہے وہ ابھی تک میسر نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ بہت سے بند غائب ہیں اور بہت سے مصرعے صحیح پڑھے نہیں جا سکے۔ (اسیفؔ جائسی)

نوحہ درحال حضرت علی اکبرؑ

اُمّی شاعر سید صادق علی ''چھنگا صاحب''، حسینؔ جائسی

لاش پر بیٹے کی مقتل میں یہ تھا ماں کا بیاں، مرے ناشاد جواں
ہاتھ سینے سے ہٹاؤ تو نظر آئے جگر، دیکھوں ہے زخم کدھر
کچھ تو بتلاؤ کہ ہے درد کلیجے میں کہاں، مرے ناشاد جواں
خونِ دل بہتا ہے مقتل کی زمیں پر مری جاں، مرے ناشاد جواں
دشت پُر ہول ہے اور غم کی گھٹا چھائی ہے، اُس پہ تنہائی ہے
تم کو یوں ڈھونڈنے مقتل میں چلی آئی ہے ماں، مرے ناشاد جواں
اپنی بستی کا پتہ آپ ہمیں دے نہ گئے، ماں کو بھی لے نہ گئے
اور نہ بتلا گئے ہے کون سے گلشن میں مکاں، مرے ناشاد جواں
پانی پایا نہیں اے لال دم آخر بھی، خون سے پیاس بجھی
تشنگی سے ہے مرے لال کے ہونٹوں پہ زباں، مرے ناشاد جواں
رحم آیا نہ اجل کو بھی جوانی پہ تری، اور ضعیفی پہ مری
یہ نہ سمجھی کہ ہے بن بیاہا ابھی میرا جواں، مرے ناشاد جواں
سو چکے دل سے چلو تم کو بلاتے ہیں پدر، اے مرے لختِ جگر
صبح ہوتی ہے اذاں دینے چلو جانِ جہاں، مرے ناشاد جواں
نیند بچپن کی ہے ہوشیار نہیں ہوتے ہو، خاک پر سوتے ہو
اٹھو انگڑائیاں لیتے ہوئے ہے وقت اذاں، مرے ناشاد جواں
کچھ پھوپھی کی نہیں لیتے ہو خبر اے دلبر، وہ ہیں بیحد مضطر
بچپنے سے تمہیں پالا ہے انہیں نے مری جاں، مرے ناشاد جواں
دل ہے بیتاب جگر سینہ میں شق ہوتا ہے، خون دل روتا ہے
منہ سے بولو نہیں مر جائے گی یہ غمزدہ ماں، مرے ناشاد جواں
پھر حسینؔ کو درِ دولت پہ بلالو اکبرؑ، یہ ہے بیحد مضطر
چین لینے نہیں دیتے ہیں اسے دشمن جاں، مرے ناشاد جواں

نوحہ درحال حضرت علی اکبرؑ

خطیب اکبر مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ اجتہادی

رن میں خیمے سے چلی آتی تھی بانو کی فغاں، مرے ناشاد جواں
سہرا پھولوں کا جنازے پہ ذرا باندھ لے ماں، مرے ناشاد جواں
دور تک رن میں شجر ہے نہ کہیں ہے سایہ، اے مرے ماہ لقا
رات اس بن کے اندھیرے میں بسر ہوگی کہاں، مرے ناشاد جواں